اردو تراجم کی روایت کے امین

ڈاکٹر شگفتہ حسین، پروفیسر ایمرائٹس اردو،
ڈاکٹر عذرا پروین، لیکچرر اردو، شعبہ اردو،
دی ویمن یونیورسٹی ملتان

Abstract:

In every language and literature of the world, significance of translation is incontestable. Like others Urdu language and literature is indebited with translation. Various genres of Urdu literature like, Short Story, Novel, Free Verse, Blank Verse are precious gift of translation. Urdu literary journals as well as Adbi Kitabi Silsiley incessantly welcome translations of every category and offered their pages for publication. Renowned Abdi Kitabi Sililey like Aaj, Peelun, Duniya Zaad, Irtiqa, Makalma, Mahrab and Angarey are adding valuable additions in the tradition of Urdu translation. In this article services of these journals are viewed and illustrated so that readers could see how beautifully they are making rich the tradition of Urdu Translation.

برصغیر پاک وہند میں تراجم کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ تراجم ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے بیرونی حملہ آوروں کی مجبوری بھی تھی کیونکہ رعایا کی زبان سے واقفیت اچھی حکمرانی کے لیئے

ناگزیر تھی۔ مغل حکمرانوں میں اکبر کو سنسکرت سے بہت لگاؤ تھا اس نے سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں تراجم کرائے۔ انگریز حکمران بنے تو انہوں نے باقاعدہ فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی، منشی بھرتی کئے اور تراجم کا اہتمام کیا۔ حکمرانوں کی دیکھا دیکھی شاہانِ اودھ نے بھی عوام کو جدید علوم و فنون سے روشناس کرانے کے لیئے انگریزی کتابوں اور رسالوں کے تراجم کرائے۔ حیدرآباد، دکن سے تعلق رکھنے والے نواب فخر الدین خاں شمس الامراء ثانی نے تو علم ہیئت، ریاضی اور بعض دوسرے علوم کی نصف درجن کتابیں ترجمہ کرا کر اپنے سنگی چھاپہ خانہ سے چھپوائیں[i]۔ تراجم کی اہمیت اور مقبولیت بڑھتی تو اب تراجم انفرادی سطح پر نہیں اداروں کی صورت تکمیل پانے لگے مثلاً ریاست جموں و کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کا قائم کردہ "دارالترجمہ" دہلی کالج کی "انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی یا دہلی ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی، انجمن پنجاب لاہور، انجمن ترقی اردو ہند اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ وغیرہ وغیرہ۔ مقصد سب کا یہی تھا کہ۔۔۔۔۔

"ایک شعبہ تالیف و تراجم
قائم کیا جائے جو مغربی زبانوں
سے اعلیٰ درجے کی تصانیف
ترجمہ کرے اور ضروری
مباحث پر عمدہ تالیفات کا
انتظام کرے"[ii]۔

اور

"ترجمے یا جدید کتب کی تالیف
کے ذریعے ہندوستان کی

زبانوں کی ترقی میں کوشش کی

جائے"[iii]۔

ہندوستان میں رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہوا تو تراجم کی روایت ان کے صفحات پر بھی منتقل ہو گئی۔ مقاصد یہاں بھی یہی تھے: عوام کی تعلیم اور ہندوستانی زبانوں کی ترقی!! لیکن رسائل میں طبع شدہ تراجم نے صرف انہی دو مقاصد کو ہی پورا نہیں کیا ہے ان تراجم نے اردو ادب کو کئی ایک نئی اصناف سے روشناس بھی کرایا، مثلاً افسانہ، ناول، آزاد نظم، سانیٹ، نظمِ معریٰ، انشائیہ، ڈرامہ وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے بقول۔۔۔۔۔۔

"اردو زبان و ادب کی وسعت

اور تکنیکی سطحوں پر گہرائی و

گیرائی میں اخذ و ترجمہ کا خاصا

اہم کردار رہا ہے"[iv*]۔

پاکستان بننے سے پہلے بھی تمام معروف ادبی جرائد میں تراجم طبع ہوتے رہے۔ مثلاً **رسالہ ہمایوں** میں **ٹیگور** اور فرانسیسی ادیبوں کے افسانے تسلسل سے طبع کئے گئے ان تراجم کے زیرِ اثر **ہمایوں** کی تحریروں میں ایک عجیب طرح کی کشادگی کا احساس ہوتا ہے۔ **ہمایوں** نے مئی ۳۵ء میں روسی ادب کا خاص نمبر اور ستمبر ۳۵ء میں فرانسیسی ادب نمبر طبع کیا۔ "**عالمگیر**"، علمی، ادبی، تاریخی اور مذہبی رسالہ ہونے کا دعوے دار تھا لیکن اس کے مزاج میں چونکہ رومانیت بہت تھی اس لیئے بیشتر **ٹیگور** کو ترجمہ کیا گیا۔ **ادبی دنیا** میں دنیا بھر کی زبانوں سے ترجمہ کر کے بہترین ڈرامے طبع کئے گئے اور مغربی افسانوں اور نظموں کے تراجم کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ **ادب لطیف** میں روسی،

انگریزی اور فرانسیسی افسانہ نگاروں کے تراجم کو تواتر سے طبع کیا گیا۔ 60ء کی دہائی میں **البیر کامیو، کافکا، جیمز جوائس** اور **بورخیس** کی تخلیقات **ادب لطیف** کی زینت بنیں اور 80 کی دہائی میں اس پرچے میں بیشتر وہ لوگ ترجمہ ہو کر طبع ہوئے جو دنیائے ادب میں اپنی مزاحمتی تحریروں کے لیئے معروف تھے مثلاً **ناظم حکمت، مایانووسکی، ڈینس بروٹس، میزنی کوئین، فروغ فرخ زاد، ایریکا ژونگ** اور **الزبتھ سارجنٹ** وغیرہ وغیرہ۔

ادبی کتابی سلسلے اور اردو تراجم:

پاکستان میں ادبی کتابی سلسلوں کا آغاز 1977ء کے ظلمت اور جہالت بھرے فوجی تسلط سے ہوتا ہے۔ سنسر کی پابندیاں بہت سخت تھیں اور کسی پرچے کا ڈیکلریشن حاصل کرنا انتہائی مشکل تھا، لیکن ادبی کتابی سلسلوں کے لیئے چونکہ کسی ڈیکلریشن کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیئے ادبی کتابی سلسلوں کے اجراء سے نئے ادبی رسائل کی ضرورت کو پورا کیا گیا۔ **آج، دنیازاد، ارتقاء، محراب، مکالمہ، پیلوں** اور **انگارے** معروف ادبی کتابی سلسلے ہیں۔

ان ادبی کتابی سلسلوں میں تراجم کی ایک توانا روایت پروان چڑھ رہی ہے۔ تقریباً ہر شمارے میں ترجمہ شدہ کہانی، ناول، مضمون، نوبل لیکچر، آپ بیتی یا نظم ضرور شامل اشاعت ہوتی ہے۔ ان میں غیر ملکی تخلیقات کے ساتھ ساتھ علاقائی ادب کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ احتشام حسین ایک مضمون میں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ ابتدائی دور میں روسی، فرانسیسی، چینی اور انگریزی افسانوں کے علاوہ ترکی، عربی اور فارسی افسانوں کے تراجم ہوئے[۷]۔ اب اس فہرست میں مصری، ہسپانوی، امریکی، جاپانی، ہندی ملیالم زبانوں کی کہانیوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ غیر ملکی زبانوں تک بیشتر

مترجمین کی رسائی انگریزی زبان کے توسط سے ہوئی ہے گویا یہ کہانیاں ترجمہ در ترجمہ کے عمل سے گزرتی ہیں۔ ایسی صورت میں ان میں اصل کہانی کی روح کس حد تک برقرار رہتی ہے یہ ایک الگ بحث ہے البتہ **گارسیامارکیز** کی بات کی تائید کی جاسکتی ہے کہ۔۔۔۔۔۔

> ''اچھاترجمہ ہمیشہ ایک نئی زبان میں از سرِ نو تخلیق کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اسی لیئے تو میں مترجمین کا اتنا مداح ہوں۔ وہ دانش ور سے زیادہ وجدانی ہیں''[vi]۔

ان رسائل میں پیش کیا جانے والا ترجمہ ہر اعتبار سے معیاری اور اعلیٰ درجے کا ہے۔ کیونکہ اپنے پرچے کو مقبول بنانے اور اعلیٰ معیار پر پہنچانے کی جو خواہش ادبی کتابی سلسلہ **مکالمہ** (کراچی) کے مرتب و موٴلف مبین مرزا کی ہے وہ یقیناً ہر مرتب / مدیر کی ہو گی۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اعلیٰ اور معیاری ادب کی ترویج واشاعت ہماری اولین ترجیح ہے۔ ہماری خواہش اور کوشش ہمیشہ یہی ہو گی کہ اس سلسلے کی ہر اشاعت معاصر ادب کی ایک ایسی نمائندہ دستاویز ثابت ہو جس میں ہمارے عہد کی روح اپنی تمام تر سچائیوں کے ساتھ بولتی ہوئی سنائی دے''[vii]۔

اپنے عہد کی روح کو تمام تر سچائی کے ساتھ پیش کرنا تمام ادبی پرچوں کے پیشِ نظر رہتا ہے لیکن اگر اس روح پر سیاسی، سماجی جبر کی پرچھائیاں پڑنے لگیں تو بھی تراجم کا سہارا لیا جاتا ہے جیسے **یلدرم** نے اپنے عہد کے مسلم معاشرے کی سوچ کو بدلنے کے لیئے ترکی کے تراجم کا سہارا لیا۔ 36-35 کی دہائیوں سے آغاز کرنے والی ترقی پسند تحریک اور اس سے وابستہ لوگوں نے اس دور میں ترقی پسند روسی ادیبوں مثلاً **چیخوف، گورکی، دوستووسکی، مائیکل شولوخوف** وغیرہ کو بیشتر ترجمہ کیا، 81-80 کی دہائیوں میں جب پرچوں نے فوجی حکومت کی ظلمت کے خلاف مزاحمت کی انہوں نے

ناظم حکمت، **فروغ فرخ زاد**، **ایریکا ژونگ** وغیرہ کو ترجمہ کیا۔ اس لیئے کہ ادیب اپنے عصر کا ترجمان ہوتا ہے بھلے وہ مترجم کے بھیس میں ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ بات ہو رہی ہے 80 کی دہائی تک کی۔۔۔۔۔۔۔جو پرچے میرے پیشِ نظر ہیں مجھے ان میں معاشرتی یا سیاسی جبر کے خلاف مزاحمتی ادب پیش کرنے کی کوئی شعوری خواہش یا کوشش دکھائی نہیں دی۔ گویا یہ کہانیاں یا نظمیں کسی خاص پس منظر میں پیش نہیں کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ **انگارے** (ملتان) جس کے سرورق پر درج ہے ''ترقی پسند ادب کا ترجمان'' اس میں بھی صرف ترقی پسند نہیں ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے طبع ہوتے رہے۔ ہاں البتہ **محراب** (لاہور) جسے احمد مشتاق اور سہیل احمد نے ترتیب دیا اس کا 1977ء کا ایک شمارہ مجھے ملا اس شمارے میں محمد سلیم الرحمن کی ترجمہ کردہ **ماؤزے تنگ** کی دو نظمیں طبع ہوئی ہیں ''آلوچے کے پھول کی شان میں'' اور ''طلسمی غار''۔

اسی شمارے میں **ناظم حکمت** کی نظمیں احمد مشتاق نے ترجمہ کی ہیں۔ عنوانات ہیں 1) پال رابسن سے، 2) عارضۂ قلب 3) موت کے بارے میں، 4) تمہارے ہاتھ اور ان کے جھوٹ 5) ایک ساتھی قیدی کو نصیحت''۔

''محض اس لیئے کہ تم ناامید نہیں ہوئے،
دنیا سے، اپنے وطن سے، انسانیت سے،
وہ یا تو تمہیں دار پر کھینچ دیتے ہیں،
یا جیل میں ڈال دیتے ہیں،
دس برس کے لیئے، پندرہ برس کے لیئے،
اور اگر اس بھی زیادہ ہو تو ان کی بلا سے
کبھی مت کہنا کاش میں رسے کے سرے پر پرچم کی طرح جھول رہا ہوتا،

تمھیں جیتے رہنا چاہئے [viii]

ناظم حکمت نے زندگی کا طویل عرصہ قید و بند کی صعوبتوں میں بسر کیا اور پھر جلاوطن بھی ہوا لیکن اپنے وطن کے بنیادی تمدنی سانچوں کو اس نے دل کے قریب محسوس کیا۔ اس کی نظمیں ہمیشہ ترقی پسندوں کو متاثر کرتی رہی ہیں۔ 1977ء کے پسِ منظر میں یہ ترجمہ معنی خیز قرار دیا جا سکتا ہے۔

خیر یہ تو مجلہ معترضہ تھا در حقیقت ان پرچوں میں ترجمہ ہونے والے ادباء اور شعراء عالمی شہرت یافتہ ہیں اور ادب کی دنیا میں ان کی تخلیقات اعلیٰ مقام کی حامل ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نوبل انعام یافتہ ہیں اور اکثر کو اپنے ملک کے یا بین الاقوامی ادبی اعزازات سے نوازا گیا، مثلاً **نجیب محفوظ**(نوبل انعام 1980ء) **ایلس منرو**(نوبل انعام2013ء) **جورنسٹرن جانسن**(نوبل انعام1903ء) **اناطول فرانس**(نوبل انعام1921ء) **برٹرینڈرسل**(نوبل انعام1950ء) **ارنسٹ ہیمنگوے**(نوبل انعام1954ء)**رابندر ناتھ ٹیگور**(نوبل انعام2013ء)وغیرہ کی کہانیاں ترجمہ کی گئی ہیں اور کئی ایک نوبل انعام جیتنے والوں کے لیکچر/ خطبات بھی ترجمہ کرکے شاملِ اشاعت کئے گئے ہیں مثلاً **نجیب محفوظ**(نوبل انعام1980ء)**وسواواشمبورسکا**(نوبل انعام1996ء) **مدرٹریسا**(نوبل انعام1979ء)**نیلسن منڈیلا**(نوبل انعام1993ء)**امرکرٹیز**(نوبل انعام2002) **جے ایم کوئیٹزی**(نوبل انعام2003) **پیٹرک موڈیانو**(نوبل انعام2014ء) **حوزے سارا میگو**(نوبل انعام1998ء)کے نوبل لیکچر ترجمہ کیئے گئے۔

ان نوبل انعام یافتہ ادیبوں اور شخصیات کے علاوہ بھی دنیائے ادب کے مقبول و معروف ادیبوں کو ان پرچوں میں ترجمہ کیا گیا ہے مثلاً **آندرے ژید، روزآؤسلانڈر، برٹولٹ بریخت، موپساں، چیخوف، اسڈنیکا بیکر، گارسیا مرکیز، پابلو نیرودا، فرانز کافکا، اروِن دھتی رائے، جسونت سنگھ کنول، ایڈورڈ سعید، خوش ونت سنگھ، خورخے لوئیس بورخیس، میلان کنڈیرا، ایرک فرام، البیر کامیو، سی مون دبووار، نادر نادرپور، گلی ترقی، ڈیفنی دوموریئر، نرمل ورما، سیمین دانشور، ژاں ژینے، رالف رسل، فرینک اوکانر، کیتھرین این پورٹر، جیمز جوائس، سٹیفن کانرڈ، اوریانا فلاشی** وغیرہ۔ جبکہ علاقائی زبانوں سے جن تخلیق کاروں کو ترجمہ کیا گیا ہے ان میں **امر جلیل، نورالہدیٰ شاہ، شیخ ایاز، امر سندھو، ولی رام ولبھ، انور کاکا، اخلاق انصاری، وفا صالح** وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ناول کے تراجم:

میں نے ابتداء میں ذکر کیا کہ ان ادبی کتابی سلسلوں میں کہانی، ناول، آپ بیتی، ڈرامہ، نظم، مضمون سبھی کے تراجم پیش کیئے گئے ہیں مثلاً کچھ پرچوں میں مکمل ناول یا ناول کا ایک باب یا قسط وار ناول طبع ہوتا رہا۔ **انگارے** (ملتان) میں **اوریانا فلاشی** کا ناول "**A Man**" "**ایک مرد**" کے عنوان سے جولائی 2003 سے ستمبر 2004 تک طبع ہوتا رہا ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس کی مزید اقساط چھپنا بند ہو گئیں۔ اسے پروفیسر خالد سعید نے ترجمہ کیا تھا۔ **اوریانا فلاشی** اطالوی جرنلسٹ، ادیبہ اور سیاست دانوں سے انٹرویو لینے کی ماہر خاتون تھی۔ اپنی بعض تحریروں کے حوالے سے متنازعہ بھی رہی۔ کم عمری میں مسولینی کے خلاف چلنے والی مزاحمتی تحریک میں شامل رہی۔ اس ناول کا مرکزی کردار یونانی آمر پر حملہ کرنے والا Alexandros Papagoulis ہے۔ یہ

Papagoulis کی Pseudo Biography ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ مصنوعی سوانح عمری ہے یہ ایک آمر کے خلاف مزاحمت کی بہر حال کہانی ہے۔

مکالمہ (کراچی)(دسمبر 1997، شمارہ نمبر 2) میں نرمل ورما کے ناول "**ایک چیتھڑا سکھ**" کا ایک باب حیدر جعفری سید نے ترجمہ کیا ہے جبکہ **مکالمہ** (شمارہ نمبر 6، جون۔ ستمبر 2000) میں آصف فرخی نے آدم زمیں زاد کے انگریزی ناول The Thirteenth House کے دو ابواب "**تیرہواں برج**" کے عنوان سے ترجمہ کئے ہیں۔ **تناظر** (گجرات)(جنوری تا دسمبر 2013) میں **میلان کنڈیرا** کے ناول Immortality کا ساتواں حصہ ڈاکٹر ارشد وحید نے "**جشن**" کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ **میلان کنڈیرا** چیک ناول نگار ہے۔ لیکن وہ فکشن کے ناقد کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ ترجمہ شدہ ناول **کنڈیرا** کا چیک زبان میں آخری ناول ہے اس کے بعد اس نے فرانسیسی زبان ہی میں ناول لکھے۔ **مکالمہ** (شمارہ نمبر 11، جولائی تا دسمبر 2003) میں **البیر کامیو** کا ناول "**پہلا آدمی**" ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ **کامیو** کے آخری ناول The First Man کا ترجمہ ہے جو رضی مجتبیٰ نے کیا ہے۔ **کامیو** ان تخلیق کاروں میں سے ہے جو انسانی جذبہ و احساس کی گہرائی میں اترنے کا فن جانتے ہیں۔ اس ناول کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس ناول کو رضی مجتبیٰ نے براہِ راست فرانسیسی زبان سے ترجمہ کیا ہے وگرنہ بیشتر ترجمے انگریزی سے کئے جاتے ہیں بھلے اصل زبان روسی ہو یا فرانسیسی، پرتگیزی ہو یا چینی!! دوسرا یہ اس لیئے اہم ہے کہ یہ **کامیو** کا آخری ناول ہے جسے اس کی حادثاتی موت کے بعد اس کی بیوہ نے شائع کرایا۔ **آج** (شمارہ نمبر 45 اکتوبر 2004) میں **خولیو لیامازا ریس** کا مکمل ناول "**پہلی بارش**" طبع ہوا ہے۔ اسے اجمل کمال نے ترجمہ کیا ہے۔ **مکالمہ** (خصوصی

شمارہ نمبر44، جنوری۔مارچ2004ء) **نرمل ورما** نمبر ہے۔ جس میں **نرمل ورما** کی دوسری تحریروں کے علاوہ ان کے دو مکمل ناول بھی ترجمہ کئے گئے ہیں، "**وہ دن**" اور "رات کا رپورٹر" ــــــ یہ دونوں ناول عامر انصاری نے ہندی سے ترجمہ کئے ہیں۔ **آج** (اکتوبر1992ء) میں **سیمون دبووار** کے فرانسیسی ناول "The Mandarins" کے ایک حصے کا ترجمہ "**ایک محبت کی کہانی**" کے عنوان سے **محمد عمر میمن** نے کیا ہے۔ **سیمون دبووار** فرانسیسی ادیبہ ہے اور فیمنزم کے حوالے سے کافی اہم سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ **دبووار** کو الجزائر کی تحریک آزادی کی حمایت سے بھی خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ **سیمون** اپنے ناولوں اور یادداشتوں / سوانح عمریوں کے حوالے سے بھی خاصی مقبول ہے۔ 1958 سے 1972 کے دوران اس کی چار سرگزشتیں شائع ہوئیں۔ "**ایک پر سکون موت**" بھی اس کی ایسی ہی ایک سرگزشت ہے جس کا براہِ راست فرانسیسی سے ترجمہ رضی مجتبیٰ نے کیا ہے یہ سرگزشت "**مکالمہ**"(شمارہ نمبر12، جنوری۔جون2004ء) میں طبع ہوئی۔ **سیمون** کی یہ سرگزشت بنیادی طور پر اس کی ماں سے متعلق ہے۔

آپ بیتی اور یادداشتوں کے تراجم:

راجندر یادو ہندی کے معروف ادیب ہیں۔ ان کی سرگزشت "**مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں**" کے عنوان سے بشیر عنوان نے ترجمہ کی ہے یہ ترجمہ **آج** (شمارہ نمبر45، اکتوبر2004) میں طبع ہوا ہے۔ **آج** (شمارہ نمبر46 اکتوبر2004ء) میں **رالف رسل** کی خودنوشت سوانح کی پہلی قسط طبع ہوئی ہے۔ "**جوئندہ یابندہ ــــ حیات، کمیونزم اور سب کچھ**" کے عنوان سے ارجمند آرا نے انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ **رالف رسل** اردو زبان سے محبت اور برصغیر کے معاشرے سے شناسائی کے سبب

بہت معروف ہیں۔ **مکالمہ** (شمارہ نمبر6، جون۔ستمبر2000ء) میں **اساڈوراڈ نکن** کی آپ بیتی "**میری جیون کہانی**" کے عنوان سے ترجمہ ہوئی ہے۔ مترجم خلیق ابراہیم خلیق ہیں۔ یہ آپ بیتی **مکالمہ** میں قسط وار طبع ہوتی رہی۔ **اساڈورا** جدید مغربی رقص کی بانی تھی۔ غیر معمولی شخصیت کی مالک جو اپنے فن اور زندگی میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی تھی۔

دنیازاد کی کتاب نمبر17 (مئی۔جون2006) میں ایسی یادداشتیں ترجمہ کی گئی ہیں جن میں مصنفین نے ان زلزلوں کی کہانیاں سنائی ہیں جن کے خوفناک تجربوں سے وہ لوگ خود گزرے۔ یہ ایک سطح پر اکتوبر2005 کو شمالی علاقہ جات میں آنے والے زلزلہ زدگان سے اظہارِ یکجہتی تھا۔

یہ یادداشتیں یہ آپ بیتیوں کے ورق نوبل خطبوں کی طرح قارئین کے لیئے ہمت و حوصلہ کا پیغام ہیں کیونکہ--------

"ایک دن میں نے ایک
کتاب پڑھی اور میری ساری
زندگی بدل کے رہ گئی"۔

یہ **اورحان پامک** کے معرکتہ الآرا ناول "**نئی زندگی**" کا پہلا جملہ ہے[ix]۔ یہ تراجم بھی بہت سوں کی زندگی بدل دیتے ہیں، اسلوب بدل دیتے ہیں، سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں۔ تخلیقی نظم ونثر کی طرح تراجم بھی تعمیری ادب کے زمرے میں آتے ہیں۔ **شوناسنگھ بالڈون** لکھتی ہیں--------

"میری استانیوں کو پختہ یقین تھا کہ "ادب" صرف برصغیر کی سرحدوں کے باہر لکھا جاتا ہے اور ہندوستان میں لکھی جانے والی ہر چیز محض "تحریر" ہے"۔

پھر اسی بات کا خود ہی جواب دیتی ہیں:

"میں نے لکھنے سے یہ سیکھا کہ یہ فرق بالکل غلط اور غیر ضروری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادیب اس لیے لکھتا ہے کہ اس سے مدد ملتی ہے دنیا کو سمجھنے اور کچھ دنیا کو دینے میں"[x]۔

کہانیوں کے تراجم:

اب جبکہ دنیا سمٹ کر ایک گاؤں بن گئی ہے ہر طرف عالمگیریت کا غلغلہ بپا ہے، تو ایسے میں تراجم ہمارے ادب اور قارئین کی ضرورت بن گئے ہیں۔ یہ بھی دنیا کو سمجھنے اور کچھ دنیا کو دینے کا بہترین وسیلہ ہیں۔یوں بھی "اپنی طرف مٹی بہت اُڑنے لگے تو جی چاہتا ہے کہ دیوار کی کھڑکی کھول کر پڑوس کے آنگن میں جھانکا جائے کہ وہاں اب کیا عالم ہے"[xi]۔جب معلوم ہو کہ جس عذاب میں آپ مبتلا ہیں کوئی اور بھی اس کیفیت سے گزر رہا ہے تو دکھوں کی سانجھ حالات سے لڑنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ ہم ایک ایسے عہد میں سانس لے رہے ہیں جہاں بے اعتباری، تشکیک، خوف کی دھند چھائی ہوئی ہے۔ حادثہ ہوتا ہے، قیامت گزرتی ہے لیکن ستم یہ ہے، المیہ یہ ہے کہ یہ روزمرہ کا واقعہ بن کے ہمارے حافظوں سے بھی محو ہو جاتا ہے۔ دیکھئے کیسے یہ ترجمہ ہونے والی کہانیاں ہماری اپنی دنیا کی سرگزشت بن جاتی ہیں:۔

"رات گہری اور خاموش تھی جب کچھ لوگ بوڑھی دادی کے گھر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس کے بیٹے کو قتل کیا، اس کے گھر کو

آگ لگائی اور چلے گئے۔ دادی کو نہیں معلوم کہ اس کے بیٹے نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ اس سے اس قدر خفا کیوں تھے؟"[xii]

"ہر فرد کے چہرے پر تباہی، دہشت اور نفرت چھائی ہوئی ہے۔ آخر ہم کس کس فرد کو اور کس کس بات کو مانیں۔ چوں کہ میرا اور موت کا روزانہ کا ساتھ ہے اس لیئے سب کچھ اب پاگل پن لگتا ہے"[xiii]۔

"مجھے تو لگتا ہے میرا بھائی مارا جا چکا ہے۔ آپ بتاؤ نہ بتاؤ پولیس بہانے بنا رہی ہے"۔ وہ نہ میں سر ہلائے جا رہا تھا۔ "ہمارے ساتھ اب تک دھوکا ہوا ہے۔ وہ پولیس کی حراست سے کہاں چلا گیا"[xiv]۔

"میں پیدا ہو گئی۔۔۔۔ "بھارتی"۔۔۔۔ویر متی نے نام تجویز کیا۔ "نہیں"، ہریش نے کہا "نہیں؟ لیکن کیوں؟ میں نے سوچا کہ اپنے ملک کی پیدائش کے ساتھ۔۔۔۔۔۔" "میں اپنی بیٹی کو ملک کی پیدائش کے ساتھ جوڑنا نہیں چاہتا، ہم تاریک دور میں واپس چلے گئے ہیں، مذہب کے نام پر لڑ رہے ہیں"[xv]۔

"یہ جھوٹ، اگر تم انہیں جھوٹ ہی کہنے پر مصر ہو، میں جو ہوں، اسے بیان کرتے ہیں۔ ان جھوٹوں کے ذریعے میں سچ بولتا ہوں۔ لیکن ایسی بھی چیزیں ہیں جن کے بارے میں میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ایسی چیزیں ہیں جو میری رگ و جاں میں شامل ہو چکی ہیں"[xvi]۔

"اسے میری برادری کا علم تو نہیں ہو گیا کہیں؟ لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ اپنے نام کے ساتھ میں نے تو اپنی سب کاسٹ کی جگہ گاؤں کا نام لکھ رکھا ہے۔ میری ذات صرف میری سروس بک میں درج تھی۔ جسوندر کی کاسٹ والا خانہ بھی اس کی ممی نے بھرا تھا

جسوندر گل!۔۔۔۔۔۔ سنتوش نے بیٹے کو اپنی کاسٹ بخشی تھی"[xvii]۔

ایسی بے شمار مثالیں ہیں کتابی سلسلوں میں ترجمہ ہونے والی کہانیوں کی، جن میں ہمیں اپنے گھر کی مماثلت تلاش کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ جون 2015 کے **انگارے** میں طبع ہونے والی **فرینک اوکانر** کی کہانی جس کا ترجمہ منور آکاش نے **"ایک دعوت"** کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ کہانی اس المیے کے بارے میں ہے جو والدین کی بڑھتی عمر اور اس کے تقاضوں اور جوان ہوتی اولاد اور اس کی لاپرواہی کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ ستمبر 2003 کے **انگارے** میں طبع ہونے والی ایک چینی کہانی **"رکشاس کے باسی اور سمندری مارکیٹ"** کے مصنف **پوسونگ لنگ**(1640۔1715) کا عہد شخصی آمریت اور شدید سنسر شپ کا دور تھا اس کی اس کہانی کا مرکزی خیال یہ ہے کہ جو جتنا کریہہ المنظر ہوتا ہے اسے معاشرے میں اتنا زیادہ خوبصورت جانا جاتا ہے۔ **آج** (شمارہ نمبر 45 اکتوبر 2004) میں **دانیال الارکون** کی کہانی City of Clowns کا ترجمہ زینت حسام نے **مسخروں کا شہر** کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کہانی کے آغاز کے بارے میں **الارکون** کا کہنا ہے۔۔۔۔۔۔

"ایک دن میرے ایک دوست نے مجھے لیما سے فون کیا اور پوچھا کہ کیا میں اسے دو سو ڈالر ادھار دے سکتا ہوں کیونکہ اس کو باپ کی لاش ہسپتال سے اٹھوانی ہے۔ یہ کہانی وہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح کا ظلم لیما کی روزمرہ کی کہانی ہے اور ہزاروں دوسری جگہوں کی بھی"[xviii]۔

یہ کہانی زندگی کی ایسی ہی سفاکی پر احتجاج ہے۔ احتجاج ادب کا بنیادی جزو ہے اور وہ تخلیقات جنہیں لازوال ہونے کا دعویٰ ہو آپ کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

منظوم تراجم:

کہانیوں کی ہی طرح ان ادبی کتابی سلسلوں میں ترجمہ ہونے والی نظمیں بھی اپنی خوبصورتی کے سبب دل کو چھو جاتی ہیں۔ **پابلو نیرودا، برٹول بریخت، سوئن برن، فدویٰ طوقان لانگ فیلو، نذیر فیض مگھی، قرۃالعین طاہرہ، شیخ ایاز، بن جانسن، شارو تانیکارا، وسواواشمبورسکا، روزآؤ سلانڈر** وغیرہ وغیرہ کی نظموں کو ترجمہ کیا گیا ہے۔ منظوم تراجم کی تعداد ان رسائل میں کم ہے۔ یوں بھی منظوم تراجم منثور تراجم کی نسبت مشکل کام ہے۔ اس میں شاعرانہ حسن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے تو اصل کلام کے مقابلے میں بہت کچھ اضافہ بھی ہو جاتا ہے جسے ناقدین پسند نہیں کرتے ہیں لیکن اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو منظوم ترجمہ لطف سے عاری ہو جاتا ہے۔

آصف فرخی نے **روز آؤسلانڈر** کی نظموں کا ترجمہ **راکھ اور ستارے** کے عنوان سے کیا ہے یہ ترجمہ **مکالمہ** (دسمبر 1992 شمارہ نمبر 2) میں طبع ہوا۔

"وہ آئے
بندوقیں اور پھٹے پرچم لئے ہوئے
چاند کو گولی مار دی اور تمام ستاروں کو
اور روشنی بجھادی
اور محبت بجھادی
اس دن ہم نے سورج کو دفن کر دیا
پھر ہمیشہ کے لیے رات ہو گئی"[xix]

روز آؤسلانڈر کے والدین جرمن بولے والے یہودی تھے یہی چیز اس کے ابتلا کا سبب بنی اور اس کی نظموں میں ڈولتی خوف کی پرچھائیوں کا بھی۔

فدویٰ طوقان کی نظم معین نظامی نے ترجمہ کی ہے۔ یہ نظم بھی حالات کے جبر کی عکاس ہے۔ نظم کا عنوان ہے "**میرا اداس شہر**"۔-------

"جب ہم نے موت اور غداری کو دیکھا
کوئی کمک نہ پہنچی آسمان کے دریچے بند ہو گئے
شہر کی سانسیں سینے میں گھٹ گئیں جب لہر ٹوٹ گئی
جب تاریکیوں کی بدصورتی نے اپنا چہرہ روشنی پر ٹھونس دیا"[xx]

میروسلاوہولب چیک شاعر ہیں ان کی نظمیں establishment اور بیوروکریسی کے ہتھکنڈوں کے خلاف ہیں۔ وہ زندگی کی تلخیوں اور رنج و محن کے خلاف مزاحمت بھی کرتا ہے۔ اس کی نظموں کے تراجم **آج** (اکتوبر 1992) میں طبع ہوئے ہیں۔ یہ ترجمے زاہد ڈار، افضال احمد سید اور اجمل کمال نے کئے ہیں۔

مردہ زبان کی نصابی کتاب

"یہ ایک لڑکا ہے یہ ایک لڑکی ہے
لڑکے کے پاس ایک کتا ہے لڑکی کے پاس ایک بلی ہے

لڑکا کہاں دفن ہے؟
لڑکی کہاں دفن ہے؟
پڑھو، اور ترجمہ کرو
کہ تم خود کہاں دفن ہو!!"[xxi]

من جیت ٹوانہ پنجابی زبان کی شاعرہ ہیں ان کی شاعری مکمل پنجابی عورت کو پیش کرتی ہے۔

"میں نے جگ کے کٹہرے میں کھڑی
ضمیر کی کتاب پر ہاتھ رکھ کر
قسم کھائی ہے کہ
میں جو کہوں گی سچ کہوں گی
سچ جو ہمارا سچ ہے
جو ہمارے عہد کا سچ ہے"[xxii]۔

وسواوا شمبورسکا کی بھی ایک نظم ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"عورت تمہارا نام کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
تم پیدا کہاں ہوئی تھیں، تم کہاں سے آئی ہو؟۔۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
تم نے زمین میں گڑھا کس لیئے کھودا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
تم کس کی طرف ہو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
جنگ چھڑی ہوئی ہے، تمہیں فیصلہ کرنا ہے۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
تمہارا گاؤں اب بھی موجود ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے معلوم نہیں
کیا یہ تمہارے بچے ہیں؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں[xxiii]

انٹرویو کے تراجم:

ادبی کتابی سلسلوں میں معروف ادیبوں، شاعروں اور مفکرین کے انٹرویو/ملاقاتیں/گفتگو بھی ترجمہ کی گئی ہے۔ یہ ایک انتہائی مثبت پیش کش ہے کیونکہ لوگ ان کے بارے میں جاننا بھی چاہتے ہیں اور ان کے نظریات سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ **تناظر** (جنوری تا دسمبر 2003) میں **میلان کنڈیرا** کا انٹرویو ترجمہ کیا گیا ہے۔ **کرسچن سالمن** کا لیا گیا انٹرویو نجم الدین

احمد نے ترجمہ کیا۔ عنوان "**افسانے کا فن**" ہے۔ **مٹھن** (جولائی تا ستمبر 2015) میں **ایلیانور واشیل** کا لیا گیا **ایڈورڈ سعید** کا انٹرویو منور آکاش نے ترجمہ کیا ہے۔ عنوان ہے "**ایڈورڈ سعید: دو تہذیبوں کے درمیان**"۔ **ایڈورڈ سعید** کے نظریات کو سمجھنے کے لیے بہترین انٹرویو ہے۔ **ارتقاء** (شمارہ نمبر 37، اکتوبر 2004) میں **ارون دھتی رائے** کا انٹرویو طبع ہوا ہے، بعنوان "**سورج میں برچھیاں**"۔۔۔۔۔۔ یہ انٹرویو **ن۔رام** نے لیا ہے اور حمرا خلیق نے ترجمہ کیا ہے۔ **دھتی رائے** کو اپنی مثبت اور تعمیری سوچوں پر اپنے ہی ملک میں سامراجی طاقتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ جھکی نہیں۔ یہ انٹرویو کچھ اسی داستان کی تفصیل ہے۔ **انگارے** (جولائی تا اکتوبر 2015) میں **عبداللہ حسین** کا انٹرویو بعنوان "**عبداللہ حسین سے ایک ملاقات**" ترجمہ ہوا ہے۔ پینل خالد سہیل اور عمر میمن پر مشتمل ہے جبکہ اسے داؤد راحت نے ترجمہ کیا ہے۔ **دنیازاد** (کتاب نمبر 18، اکتوبر 2006) میں **نجیب محفوظ** کا انٹرویو آصف فرخی نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ انٹرویو **نجیب محفوظ** سے **محمود سلماوی** نے لیا ہے۔

تنقیدی مضامین کے تراجم:

عالمی تنقیدی نظریات نے اردو تنقید کو ہمیشہ متاثر کیا ہے۔ براہِ راست ان رجحانات تک رسائی اب کچھ ایسا مشکل نہیں ہے لیکن تراجم کی صورت ان نئی نئی بحثوں سے استفادہ کرنا بہر حال ایک آسان میڈیم ہے۔ **پیلوں** (شمارہ نمبر 8، اکتوبر۔دسمبر 2014) میں **رچرڈ ڈی آلٹک** کا مضمون "**ادبی تحقیق کا فن**" کے عنوان سے طبع ہوا ہے جسے اعزاز باقر نے ترجمہ کیا ہے۔ **پیلوں** کے ہی شمارہ نمبر 11 (جولائی۔ستمبر 2015) میں **رولاں بارتھ** کا مشہور مضمون Death of Author منور آکاش نے "**مصنف کی موت**" کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ تنقیدی حلقے آگاہ ہیں کہ **بارتھ** جو پہلے

ساختیاتی اور پھر پس ساختیاتی مفکر کی حیثیت سے اور اپنے منفرد نظریات کے سبب بہت مشہور ہوا اس کے اسی مضمون نے تو تہلکہ مچا دیا تھا۔ **مکالمہ** (پہلا شمارہ، جولائی۔ ستمبر 1996) میں امریکی مصنف **جون بروز** (1921-1837) کا مضمون "**سائنس اور ادب**" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس کے مترجم شہزاد احمد ہیں۔ اس امریکی مصنف کو بہت کم پڑھا گیا لیکن فطرت کے بارے میں تحریر کردہ اس کی تحریریں نہایت مقبول رہیں۔ **دنیازاد** (دوسری کتاب، اپریل 2001) میں **نیاز زمان** کا مضمون "**تقسیم شدہ میراث**" آصف فرخی نے ترجمہ کیا ہے۔ بنگالی مصنف ہیں اور انہوں نے اس مضمون میں واضح کیا ہے کہ بنگالی ادب میں تشدد کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ **محراب** (1977) میں **پیٹر گری زوں** کا مضمون محمد حسن عسکری نے ترجمہ کیا ہے۔ عنوان ہے "**چینی موسیقی۔۔۔نظام کائنات کی ہم آہنگی کا اشارہ اور ذریعہ**"۔ اسی شمارے میں **نادر نادر پور** کا مضمون "**عصر حاضر کی ہماری ثقافت ماضی سے بہرہ یاب نہیں**"، شائع ہوا ہے مترجم سجاد باقر رضوی ہیں۔ **انگارے** (جون 2005) میں **راجر گیراڈی** کا مضمون "**راہرو گم گشتہ: ژاں پال سارتر**" کے عنوان سے طبع ہوا ہے اسے آدم پال نے ترجمہ کیا ہے۔ **گیراڈی** کو اپنے اسرائیل دشمن خیالات کی وجہ سے اسلامی دنیا کی زبردست حمایت و تائید حاصل رہی ہے۔ **نوم چامسکی** امریکی ماہر لسانیات، فلاسفر، مورخ اور سوشل نقاد ہے۔ اسے جدید لسانیات کا باپ قرار دیا جاتا ہے۔ **چامسکی** کا مضمون "**اضطراب ہائے جنگ**" **انگارے** (مئی 2003) میں طبع ہوا، مترجم احمد ندیم تونسوی ہیں۔

میں نے گزشتہ اوراق میں ادبی کتابی سلسلوں میں چھپنے والے تراجم کا مختصر جائزہ لیا ہے، چند ایک مثالیں بھی دی ہیں، کیونکہ مختصر مقالے میں تمام ادبی کتابی سلسلوں اور ان کے تمام شماروں

کی تفصیل کو سمیٹنا ممکن نہ تھا لیکن ہم کم از کم اندازہ تو لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے قارئین سے جو عہد باندھ کر چلے تھے، انہوں نے اس کو پورا کرنے کے لیے تراجم سے کس حد تک مدد لی۔

انگارے (ملتان) کے مدیر کا کہنا ہے کہ یہ کتابی سلسلہ۔۔۔۔۔۔

"ادب اور معاشرے میں پائی جانے والی توہم پرستی، رجعت پسندی، مذہبی منافرت، سامراجیت، برداشت سے عاری جذباتیت، غیر منطقیت، فکری انتشار، فراریت، لایعنیت اور جدیدیت کے نام پر قدامت پرستی کے خلاف ایک ایسا ادب تخلیق کرنے کا جتن ہے جو صلح کل، حق پرستی، مساوات، حب الوطنی، مقصدیت، طبقات سے پاک معاشرے، روشن خیالی اور فردافروزی کا ترجمان ہو"[xxiv]

مکالمہ (کراچی) کے مرتب کا نظریہ یہ ہے کہ ادب کو اپنے عہد کے اہم ترین مسائل اور ان کی نوعیت کو سمجھنا چاہیے اپنی تہذیب اور اس کی اقدار پر اپنے لوگوں کا اعتبار قائم رکھنے میں معاون ہونا چاہیے:۔

"ادب کو ذریعہ بنا کر معاشرے میں ایک ہفتے یا ایک مہینے کے اندر کوئی انقلاب تو بے شک نہیں لایا جا سکتا لیکن ادب انسان کے اس باطنی جوہر کو برقرار رکھنے میں ضرور معاون ہو سکتا ہے جو انسان کو دیگر مخلوقاتِ ارضی سے غیر کرتا ہے اور انسانی تہذیب و تمدن کا صورت گر ہے"[xxv]

"**آج**"(کراچی) کے مرتب اجمل کمال ایک خصوصی شمارے کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"موجودہ انتخاب خصوصی شماروں کے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جو "**آج**" نے اردو سے لسانی، سماجی اور جغرافیائی قربت رکھنے والی زبانوں۔۔۔۔۔۔ہندی، فارسی اور عربی۔۔۔۔۔۔۔۔کے فکشن کر پڑھنے والوں سے متعارف کرانے کی غرض سے برسوں سے شروع کر رکھا ہے۔ ان کے علاوہ عام شماروں میں بھی ان زبانوں کی تحریریں اکثر شامل رہتی ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ **آج** کی اس متواتر کوشش کو پڑھنے والوں کی قبولیت حاصل ہوئی ہے اور ان ترجموں کے ذریعے سے پڑھنے والے رفتہ رفتہ اردو کی ادبی سرگرمی کو اردگرد کی اہم زبانوں کے تناظر میں دیکھنے لگے ہیں"[xxvi]

ڈاکٹر محمد علی صدیقی **ارتقاء**(کراچی) میں مدیران کے موٴقف کو بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے بعض غیر عقلی مذہبی گروہوں پر پیڑوڈالرز کی بارش اسی لیئے کی گئی تھی کہ وہ اپنے سماجوں میں جدید علم کے خلاف ترقی دشمن ایجنڈا پر کام کریں لیکن تراجم کے ذریعے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"مغربی علوم سے استفادہ مغربی استعمار کے خلاف سینہ سپر ہونے کے لیے بھی ضروری ہے، ورنہ تیسری دنیا کے ممالک کے ہاتھوں میں کشکول ہی رہے گا"[xxvii]۔

"**آج**"(کراچی) کی طرح "**دنیازاد**"(کراچی) بھی تراجم کی نہایت مستحکم روایت رکھتا ہے۔ آصف فرخی اپنے اداریے میں لکھتے ہیں:۔

"ادب ہو یا دنیا، تبدیلی کی رفتار اتنی تیز ہو گئی ہے کہ۔۔۔۔
دامانِ خیال بھی چھوٹا جائے ہے ہم سے۔۔۔۔۔۔۔
اس آشوب میں تنقید کا فریضہ ایک اہم تہذیبی

سر گرمی بن سکتا ہے کہ معیارات کیاہیں، ہماری
اقدار کیاہیں، ادب پاروں کا اعتبار قائم ہو تو کیوں
کر ہو اور تفہیم کے سانچے کون سے ہیں؟"[xxviii]

ان ادبی کتابی سلسلوں نے رسائل وجرائد کی دنیا میں بہت معتبر مقام حاصل کر لیا ہے

کیونکہ ان کے قارئین نے جب ان سے یہ تقاضا کیا کہ--------

"ادب کے فروغ کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم سب ذہنی
کشادگی اور آزادیٔ فکر کی جانب رہیں اور اس کا ساتھ دیں"[xxix]

"اس کے اوراق میں ہمیں خواہ دنیا کا بہترین ادب نہ ملے مگر اس
میں شائع ہونے والی تحریریں انسانی قدروں کے منافی نہ
ہوں"[xxx]

تو انہوں نے ہمیشہ ان کی آراء کا احترام کیا اور کبھی انہیں مایوس نہیں کیا۔

تخلیقی ادب اور اس کے تراجم کا سلسلہ یقیناً جاری ہے اور مسابقت کا جذبہ بھی بہترین تخلیقات کے انتخاب اور بہترین ترجمے کا محرک ہے اس لیئے امید کی جا سکتی ہے کہ ادبی کتابی سلسلوں میں ترجمہ ہونے والا ادب یونہی قارئین کے ذوق کی تہذیب وترتیب کرتا رہے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی حاوی ہوتی دنیا میں کتاب دوستوں کے لیئے ان رسائل وجرائد کا دم بہت غنیمت ہے۔ اردو ادبی تاریخ اردو ادب کی ترقی وترویج اور تحفظ میں ان کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکے گی۔

حوالہ جات

[i] مولوی عبدالحق "اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ" (مضمون) مشمولہ "مقدمات" جلد اول، کراچی، انجمن ترقی اردو، 1949ء، ص30۔

[ii] رضی الدین صدیقی "جامعہ عثمانیہ" کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، 1983، ص21۔

[iii] مولوی عبدالحق "مرحوم دہلی کالج" دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، 1945، ص2۔

[iv] ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، "اردو میں ترجمے کی روایت" (مضمون) مشمولہ "تراجم کے مباحث"، محمد ابو بکر فاروقی (مرتب)، کراچی، سٹی بک پوائنٹ، 2016، ص262۔

[v] سید احتشام حسین، "اردو میں دوسری زبانوں کا افسانوی ادب" (مضمون) مشمولہ "ترجمہ کا فن اور روایت" ڈاکٹر قمر رئیس (مرتب)، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2004، ص215۔

[vi] گارسیا مارکیز/آصف فرخی "ترجمے کی تنہائی" مشمولہ دنیازاد، (کراچی) دوسری کتاب، اپریل 2001، ص231۔

[vii] مبین مرزا "حرفِ آغاز" مشمولہ، "مکالمہ" (کراچی) پہلا شمارہ گرما، جولائی۔ستمبر 1996، ص14۔

[viii] ناظم حکمت/احمد مشتاق "ایک ساتھی قیدی کو نصیحت" مشمولہ "محراب" (لاہور) 1977، ص150۔

[ix] آصف فرخی (مرتب) "محفل" مشمولہ دنیازاد (کراچی)، کتاب نمبر 18، اکتوبر 2006، ص7۔

[x] شوناسنگ بالڈون/حمرا خلیق "لکھنے سے میں نے کیا سیکھا" مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، دوسری کتاب، اپریل 2001، ص147۔

[xi] آصف فرخی "محفل" مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، کتاب نمبر 21، مارچ 2008، ص6۔

[xii] سیلینا حسین/شگفتہ حسین "بوڑھی دادی" (بنگلہ کہانی) مشمولہ، انگارے (ملتان)، جولائی 2003، ص51۔

[xiii] آندرے ژید/عطا صدیقی "جان سے جاتے جاتے" (فرانسیسی کہانی) مشمولہ، مکالمہ (کراچی)، گرما، جولائی۔ستمبر 1996، ص390۔

[xiv] جسونت سنگھ کنول / حیدر جعفری سید "گمشدہ پگڑی" (ہندی کہانی) مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، کتاب نمبر9، جولائی 2003، ص69۔

[xv] منجو کپور / حمرا خلیق "سرکش بیٹیاں" (ہندی کہانی) مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، دوسری کتاب، اپریل 2001، ص124۔

[xvi] میلان کنڈیرا / نجم الدین احمد "کوئی نہیں ہنسے گا" مشمولہ، تناظر (گجرات) شمارہ نمبر3، جنوری تا دسمبر 2013 ص222۔

[xvii] جندر / خالد فرہاد دھاریوال "سوری" مشمولہ، پیلوں (ملتان)، شمارہ نمبر10، اپریل تا جون 2015، ص74۔

[xviii] دانیال الارکون / زینت حسام "مسخروں کا شہر" مشمولہ، آج (کراچی) شمارہ نمبر45، اکتوبر 2004، ص122۔

[xix] روزآؤسلانڈر / آصف فرخی، "راکھ اور ستارے" مشمولہ، مکالمہ (کراچی) شمارہ نمبر2، دسمبر 1997، ص587۔

[xx] فدویٰ طوقان / معین نظامی "میرا اداس شہر" مشمولہ، دنیازاد (کراچی) کتاب نمبر11، جنوری فروری 2004، ص25۔

[xxi] میروسلاوہولب / زاہد ڈار "مردہ زبان کی نصابی کتاب" مشمولہ، آج (کراچی)، اکتوبر 1992، ص105۔

[xxii] من جیت ٹوانہ / زاہد حسن "نظم" مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، کتاب نمبر21، مارچ 2008، ص85-84۔

[xxiii] وسواواشمبورسکا / آصف فرخی "ویت نام" مشمولہ، مکالمہ (کراچی)، شمارہ نمبر4، اپریل۔اکتوبر 1999، ص592-591۔

[xxiv] سید عامر سہیل (مدیر) "چند باتیں" (اداریہ)، مشمولہ، انگارے (ملتان)، کتابی سلسلہ نمبر1، پہلی کتاب، جنوری 2003، ص4۔

[xxv] مبین مرزا (مرتب) "حرفِ آغاز" مشمولہ، مکالمہ (کراچی) شمارہ نمبر10، جنوری تا جون 2003، ص10۔

[xxvi] اجمل کمال (مرتب) "تعارف" مشمولہ، آج (کراچی)، شمارہ نمبر44، جنوری۔مارچ 2004، ص5۔

[xxvii] محمد علی صدیقی "ہمارا موٴقف" مشمولہ، ارتقا (کراچی)، شمارہ نمبر37، اکتوبر2004، ص8۔

[xxviii] آصف فرخی (مرتب) "محفل" مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، کتاب نمبر13، اکتوبر2004، ص8۔

[xxix] احمد صغیر صدیقی "حروفِ زر" (خطوط)، مشمولہ، انگارے (ملتان)، تیسری کتاب، مارچ 2003، ص94۔

[xxx] فہمیدہ ریاض "خط" مشمولہ، دنیازاد (کراچی)، دوسری کتاب اپریل 2001، ص266۔